میزانِ حشر

حشر القادری بدایونی

افکار

مزمل حسین حشر القادری

ترتیب

مقدس حسین قادری

سرورق

پرویز مزمل

کتابت

ریاض الحسن

طباعت

ایجوکیشنل پریس کراچی

تعداد ———— ایک ہزار

قیمت ———— تین روپے

مقام اشاعت

عرفان المکاتیب اے۔ ایم نمبر ۱ برنس روڈ۔ کراچی ۱

خاندان سادات کے چوتھے بادشاہ سیّد علاؤالدین نے مملکت ہندوستان کے قدیم دارالسلطنت دہلی کو ۸۵۲ھ مطابق ۱۴۴۷ء میں چھوڑ کر صوبہ یو۔ پی کے ایک زرخیز خطّہ بدایوں کو اپنے لئے منتخب کیا اور یہاں پر ہی مستقلاً رہائش اختیار کرلی۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ جب عالم اسلام کی سلطنت پُرعظمت کے مرکز رُوم میں خاندان عثمان کا بادشاہ ابوالرابیع المستکفی باللہ سریرآرائے حکومت تھا

سید علاؤالدین کے زمانۂ آمد سے آج تک بدایوں کی سرزمین سے علماء و فضلاء ادباء و شعراء سالک و رہنما، مجذوب و ولی اور غوث و قطب پیدا ہوتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ دردمندانِ طریقت والتصوّف نے بدایوں کو مدینۃ الاولیاء کہا ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کیونکہ دنیا کے طول و عرض کے مشاہیر علماء، اور اولیاء اللہ نے اس سرزمین پر آکر تبلیغ و تدریس کی بنیاد ڈالی اور یہیں سے ہندوستان کے گوشے گوشے میں روحانیت کے دریا بہائے گئے۔

بدایوں کی اس عظمت کو دیکھ کر مصحفی بھی بے اختیار پکار اُٹھے ۔

قاتل تیری گلی بھی بدایوں سے کم نہیں
ہر گھر میں جس کے ایک مزار شہید ہے

اسی سرزمینِ والاتمکین نے ستمبر ۱۹۱۴ء کے اوائل میں حضرت حشر القادری کو دنیائے علم و ادب کی پُرخلوص خدمت کرنے کے لئے جنم دیا اور آپ نے بھی اس مادرِ وطن کے علماء عظماء کی سابقہ شاندار خدمات علم و عمل کی روایات کو برقرار رکھا ۔

آپ کا نام مزمل حسین ہے حشر تخلص فرماتے ہیں خاندانی سلسلہ سے قادری ہیں۔ آپ کے مورثِ اعلیٰ حضرت سیدنا میاں مخدوم عبداللہ عارف باللہؒ ایک عظیم اور برگزیدہ ولی کامل تھے جنہوں نے بخارا سے پنجاب کے ضلع پٹیالہ میں آکر قیام کیا مابعد اپنے پیرومرشد کے ارشاد کے مطابق تبلیغ دین کی خاطر بدایوں میں قدم رنجہ فرمایا اور یہیں پر مستقل طور پر رہائش پذیر ہوگئے ۔

والدہ کی طرف سے آپ کا شجرۂ نصب حضرت بابا گنج شکر فریدؒ سے ملتا ہے ۔ ان ہر دو بزرگانِ دین کے طفیل آپ کا خاندان ہمیشہ سے عرفان و سعادت کا گہوارہ بنا ہوا ہے ۔

آپ نے اپنی ابتدائی اور مذہبی تعلیم کے تمام مدارج والدین کی آغوش شفقت میں طے کئے ۔ چونکہ آپ کے والد مولانا عطا حسین قادری مدظلہٗ ریاست گوالیار کے محکمہ انجنیرنگ میں ایک ممتاز عہدے پر فائض تھے ۔ اس لئے حضرت حشر القادری نے اپنے تعلیمی مراحل بھی اسی ریاست کے دارالخلافہ لشکر میں طے کئے اور اس طرح وکٹوریہ کالج گوالیار سے ۱۹۳۵ء میں فارغ التحصیل ہوکر امتیازی سند حاصل کری ۔

کالج کی ادبی محفلوں میں آپ ممتاز رہے۔ جس کی وجہ بچپن ہی سے ادب سے بے پناہ لگاؤ تھی۔ اسکول کے زمانے میں آپ نے شاعری میں خاطر خواہ دسترس حاصل کرلی تھی ۔ جسے جناب مولانا یعقوب ضیاء القادری کی وقتاً فوقتاً اصلاح نے مزید جلا بخشی یوں تو حضرت حشر القادری کے نثر پارے بھی اپنی انفرادیت کی وجہ سے مقبول خاص و عام ہوئے مگر شعری ادب نے حضرت کو ایک بلند و بالا امتیازی مقام عطا کیا ۔

عصر جدید کے اساتذہ حضرت جگر مرادآبادی اور شاعرِ بنگال قاضی نذرالاسلام سے آپ کو ہمیشہ وابستگی میسر رہی۔ کسی حد تک ان شعراء کرام کا رنگ آپ کے کلام میں جھلکتا ہے ۔ مگر نسبتاً آپ غالب سے زیادہ متاثر رہے ۔ ان تمام قربتوں کے باوجود حضرت حشر القادری کے کلام میں ان کی زندگی اور تخیل و مزاج کا اپنا رنگ شعری موسیقی کے ساتھ بدرجہ اُتم موجود ہے آپ نے فطرتاً مزاج میں جلال پایا ہے۔ آپ کا دل قوم کے درد اور آزادی کی کوششوں کے لئے ہمیشہ دھڑکتا رہا ہے ۔ آپ اپنے فطری جلال کے رنگ میں ایک ابن الوقت کو للکارتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

میں جلالِ ظلِ یزداں تو اسیرِ تاجداری
میرے نام سے لرزتی ہے جبینِ شہریاری

آپ کی فی البدیہہ شاعری ہمیشہ آپ کو مقامِ اولی بخشتی رہی ۔ . . . . .

آپ کو ہندی شاعری اور اس کے رموز و نکات پر بھی پورا پورا عبور حاصل ہے۔ دورِ جدید کے اکثر ممتاز و مشہور شعراء کو آپ سے شرفِ تلمذ حاصل رہا ہے جس کی وجہ سے آج بھی آپ کا نام ان حلقوں میں بڑے احترام سے لیا جاتا ہے۔

حضرت حشر القادری کا ابتدائی کلام محفوظ نہیں ہے۔ آپ کے ساتھ غالب کی سی ستم ظریفی ہوئی ہے۔ آپ کی کہی ہوئی اکثر غزلیں آپ کے ہم مجلس احباب دیگر محفلوں میں گنگناتے رہے۔ یاد دہانی کرانے پر حضرت کو یاد آتا کہ یہ آپ ہی کی کاوش کا نتیجہ ہے آپ کا اکثر کلام یونہی ضائع ہوگیا۔

آپ کی نثری کاوشوں کے چند گوہر بعنوان "ٹوٹے ہوئے دل" ۱۹۴۶ء کے آخری ایام میں رتن پریس ہسپتال روڈ لاہور سے شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن ماسوائے چند افسانوں کے یہ مجموعہ بھی نذرِ انقلاب ہوگیا ہے۔

میں یہاں پر حضرت حشر القادری کی صاحبزادی آنسہ شہناز قادری نازؔ کا شکریہ ادا کرنا نہایت ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے حضرت کے کلام کو حتی الوسع محفوظ رکھ کر شیدائیانِ حشرؔ کے نذر کیا۔

شاعری کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ پڑھنے یا سننے والے پر براہِ راست اپنا اثر چھوڑے اور یہ نہ ہو کہ اس کی تشریح اور توضیح کے لئے کسی شارح مفسر یا نقاد کی ضرورت پیش آئے۔ میرے خیال میں ایسی شاعری جو کسی اور سہارے کی محتاج ہو مفلوج شاعری ہوتی ہے کہ اپاہج کی طرح بغیر بیساکھی کے ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتی۔

حشرؔ صاحب کا کلام میں نے کہیں کہیں سے پڑھا اس میں جگہ جگہ وہ گرمی ہے جو کلام میں تاثیر پیدا کرتی اور وہ جذبہ ہے جس سے شاعر اپنے سامع کو ہم نوا بنا لیتا ہے حشرؔ صاحب پیشہ ور شاعر نہیں ہیں اس لئے ان کے کلام میں خلوص اور ایک فطری سادگی پائی جاتی ہے جو اردو کے تکلف اور تصنع سے پاک ہے۔ یہ سچ ہے کہ اُن کا مقابلہ اکابر شعرا کے کلام سے نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس کی ضرورت بھی کیا ہے۔ اسی کائنات میں ماہِ کامل بھی ہے اور لاکھوں چھوٹے چھوٹے ستارے لیکن ان میں سے ہر ایک اسی نظام کا ایک رکن ہے اور بڑا اہم رکن، ان میں ایسے بھی ہیں جو ہماری بینائی کی رسائی

مقدس حسین قادری

سے بہت آگے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جن کو ہم نے بڑی بڑی دوربینوں سے دھندلا سا دیکھا ہے۔ اور کتنے ہی اب بھی ہماری نگاہوں کے منتظر ہیں۔

حشرؔ صاحب کا کلام جذبات کے اعتبار سے پاکیزہ اور خیالات کے اعتبار سے صاف و سادہ ہے۔ اس میں ہمیں اپنے دور کے ایک شاعر کے جذبات اور احساسات کی ترجمانی ملتی ہے۔ ایک ایسی شاعری جس پر کوئی لیبل لگانا مشکل ہے لیکن جسے آج کے شاعر کی آواز کہہ سکتے ہیں۔ اس میں کہیں کہیں مایوسی بھی ہے اور ساتھ ہی ایک قسم کی امید اور مستقبل پر اعتماد بھی۔ یہی صحت مند زندگی اور صحت مند شاعری کی نشانی ہے۔ امید ہے کہ حشرؔ صاحب کا کلام مقبول ہوگا اور دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔

کراچی

۱۵/اکتوبر ۱۹۶۳ء

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی
صدر شعبۂ اردو۔ کراچی یونیورسٹی

کلامِ حشرؔ

جواں ہے۔ رُوح پرور ہے۔ حسیں ہے
حلاوت میں یہ شہد و انگبیں ہے
رئیسؔ اس بات کا مجھ کو یقیں ہے
"کلامِ حشرؔ" بھی حشر آفریں ہے

رئیسؔ امروہوی

آب
و
آتش

قاضی نذرالاسلام کے تاثرات

۱۹۴۷ء تک

شاعرِ مستقبل کے نام

شاعر تو اُس فلک کا ہے دھندلا سا آفتاب　　جس پر پڑی ہے ابر کی گہری سی اک نقاب
راتوں کو جاگتا رہا میں جس کے واسطے　　تو بھی ہو محو منتظر اُس صبح کے لئے

کھیلے گا تو بساطِ ادب پر جدید کھیل
تیرے لئے میں ڈال رہا ہوں یہ داغ بیل

تخلیق کر رہا ہوں میں جس آسماں کی　　چمکے گا تو اُسی پہ بہ اندازِ سروری
میں یاد چھوڑے جاتا ہوں اپنے سلام کی　　اک چیز دے رہا ہوں تجھے تیرے کام کی

میری ہی بانسری پہ مسلسل نئی نئی
گانا نئے زمانے کی تو راگ راگنی

مجاہد کا گیت

گھٹائیں، تلاطم ۔ اندھیری فضائیں   تباہی بہ آغوش بہکی ہوائیں
ہیں شاہد کہ ٹوٹی ہوئی اپنی کشتی   بلاخیز موجوں کو خود نذر کردی

زیارت کو ۔ میرے نقوش قدم کی   سیاہ بادلوں میں چمکتی ہے بجلی
مرے سایے میں اُجڑے اُجڑے سے رستے   کھلاتے ہیں رنگیں بہاروں کے تختے
مرے گیت سن کر چراغ لحد بھی   لیا کرتا ہے سانس تازہ ولی کی
لئے سنگ چقماق اپنی نظر میں   جلاتا ہوں میں آگ ہر ایک گھر میں

فرات اور دجلہ کی دھاریں سمیٹے   نئی زندگی نے جمائے ہیں ڈیرے

قریبِ نظر ہے تو اس کا کنارا   مگر وہ ہے قربانیوں کا پیاسا
چڑھے آتے ہیں موج در موج لشکر   مظالم کے پیکر تباہی کے خوگر
لبِ جو ۔ بہ آوازِ عباس ۔ اپنا   سناتا ہوں پیغامِ تشنہ لبی کا
کلیم خدا کو مٹانے کی خاطر   کبھی ۔ جبکہ فرعون ہوتا ہے ظاہر
تو ہیں نیل کا بنکے سیلاب پیہم   فنا کردیا کرتا ہوں اس کو ہمدم
کبھی جب خلیل خدا کا ترانہ   اگر کوئی نمرود چاہے مٹانا
فنا کر کے آتشکدہ اس زمیں پر   کھلاتا ہوں رنگیں بہاروں کے پیکر

گھٹائیں تلاطم اندھیری فضائیں   تباہی بہ آغوش بہکی ہوائیں
ہیں شاہد کہ ٹوٹی ہوئی اپنی کشتی   بلاخیز موجوں کو خود نذر کردی

شجاعت سکھاتا ہوں سہمے وطن کو   جواں میں بناتا ہوں خود بوڑھے پن کو

شعاعِ سحر سے مری کجکلاہی
نئی زندگی کے مسافر ہیں سے
اِسی آس پر اس ڈگر پر پڑا ہوں

لیا کرتی ہے نذر سیلِ تباہی
سمجھ لیں گے اپنی منازل کے رُتبے
میں سب کچھ لٹائے چلا جارہا ہوں

کوئی شام مستقبل خوش ادا کی
تو ہم رازاس وقت اک کام کرنا
نظر آؤں گا تجھ کو میں مسکراتا
گھٹائیں تلاطم ۔ اندھیری فضائیں
ہیں شاہد کہ ٹوٹی ہوئی اپنی کشتی

اُڑائے اگر یہ جسم کامرانی
نظر سوئے گردوں سرِ شام کرنا
ستاروں کی محفل میں یہہ گنگنانا
تباہی بہ آغوش بہکی ہوائیں
بلاخیز موجوں کو خود نذر کر دی

○

ڈوبتا ہوا ملاح

یہہ دلدل ہے یہاں دُکھ درد کا پانی سمایا ہے
گھروندا تو نے دیوانے کہاں آکر بنایا ہے
اشارے ہو رہے ہیں تجھ سے بے بادل کی بجلی کے
بساطِ زیست کو اپنی قضا سے پہلے سمیٹ دے
اُٹھا سر ۔ دیکھ ۔ پانی بادلوں سے جو برستا ہے
یہ ماں کی آنکھ کا آنسو نہیں ہے خونِ بستہ ہے
زمیں شانہ پکڑ کر یہہ جو شاخوں کو ہلاتی ہے
تجھے یاد فشار قبر اے غافل دلاتی ہے
بھنور میں کشتی دُخت عنب ہے جوش طوفاں ہے

ہر اک چشمہ جو بے آب بقا ہے چشم گریاں ہے
ہوا کا دیکھ کر رُخ بادباں کو کھول کشتی باں

اُٹھا لنگر خدا کا نام لے مت کر غم طوفاں
ہے جدوجہد تیری رائیگاں ہیں کوششیں باطل

فنا کا گھاٹ تیری ناؤ کی ہے دوسری منزل
ہے سیلاب فنا کے جزر و مد میں جھونپڑی تیری

ہے ان تنکوں پہ بھی دست قضا کی آج ہت پھیری
تری کمزور کشتی۔ آہ۔ کس حسرت بھرے دل سے

فضائے دھر کو تک تک کے ٹکراتی ہے ساحل سے
تجھے ملاح جب ساون کی۔ کالی رات کا غم تھا

یہی بیڑا۔ یہی ساحل ترا دیرینہ ہمدم تھا
تجھے گو خانہ ویرانی نے چنگل میں سمیٹا ہے

مگر پھر بھی پھٹی ٹوٹی چٹائی پر تو لیٹا ہے
ارے ناداں یہ قید و بند کی مضبوط زنجیریں
جھٹک کر پائے ہمت توڑ دے۔ کر نیک تدبیریں

نہ تھی تجھ کو تمنا۔ لعل و گوہر کے خزینوں کی
نہ چاہت سیم و زر کی تھی نہ خواہش تھی دفینوں کی

تو پھر تو چاہتا کیا تھا ارے او درد کے خوگر
چراغ کشتہ۔ مٹی کا پیالہ اور سڑا چھپر

یہی تھی چند روزہ کائنات زندگی تیری
اسی پر منحصر تھی تمکنت اور خود سری تیری

یہ تیرے بے حقیقت۔ ساز و سامانِ طرب سارے
تجھے بھی کچھ خبر ہے اے سکوں برباد دکھیارے

لٹیرے رہزنوں کے ہاتھ چوری ہونے والے ہیں
اجل - امراض - پیری - چور تیرے دیکھے بھالے ہیں
تھپیڑا موت کا مانجھی تری کشتی ڈبو دے گا
یہ طوفانِ فنا اب تو تجھے دنیا سے کھو دے
سنبھل ایسا نہو۔ ٹکرا کے ان سنگین ٹیلوں سے
نہ جائیں لہو میں پیر تیرے اس بڑھاپے کے

یہہ بجلی کی کڑک - کالی گھٹا - یہ سخت برساتیں
یہ موجیں یہ تلاطم یہہ سمندر اور یہ راتیں
یہہ گُل بوٹے - یہ دنیا اور دنیا کی یہہ آرائش
یہہ ہنگامِ فنا - بدبخت نسلوں کی یہ افزائش
ازل سے تا اَبد یوُں ہی رہے گی رہتی آئی ہے
مگر تیرے لئے اے راہ رو ہر شے پرائی ہے
ارے مانجھی نہ کر پروا غم و عیش جہاں کی تو
یقیناً چھوڑ جائے گا یہیں ہر شے یہاں کی تو
خُدارا مطمئن ہو کر ہم آغوشِ بقا ہو جا
زمانے کو پیامِ زیست دے کر خود فنا ہو جا

○

ناخُدا

خُدارا رہ نوردو غور سے پیغام یہ سُن لو
اندھیری رات میں درپیش ہے لمبا سفر تم کو
یہ کوہ پرخطر۔ یہ دشت ۔ یہ صحرائے بے پایاں
یہ بے ساحل سمندر اور یہ بڑھتا ہوا طوفاں
تلاطم کے تھپیڑوں سے سفینہ ڈگمگاتا ہے
ہمارا ناخدا بھی اب تو ہمت توڑ بیٹھا ہے
ہواؤں نے کئے ہیں ٹکڑے ٹکڑے بادبانوں کے
ہوئے جاتے ہیں پتّے پانی پانی پاسبانوں کے
کوئی ہے ۔ جو کہ اس نازک گھڑی میں دست ہمت سے
بچالے ڈگمگاتی ناؤ کو نرغے سے طوفاں کے

ندا للکار کر یہ دے رہا ہے دورِ مستقبل
تباہی کوش طوفاں کے مقابل آئیں اہلِ دل
ارے او جاں نثارو ۔ جوہر قابل دکھانا ہے
بہر نوع اب تمھیں کشتی کنارے سے لگانا ہے
بہ اندازِ دگر سوزِ مسلسل اب پیامی ہے
ہمارے کارواں کی رہ نوردی کا سلامی ہے
ہمارے سوختہ سینوں میں جو آتش فروزاں ہے
نشانِ راہِ منزل اس کے شعلوں سے نمایاں ہے
ارے او ناخدا ۔ منجدھار میں ہے اب ترا بیڑا
وفا کرتا ہے کس حد تک سکوں یابی کا تو وعدا
تجھے اس سے غرض کیا ۔ کون کس کا نام لیوا ہے
بلاتخصیصِ ما و تو ۔ اُخوت ۔ ترا شیوا ہے

نظر آتے ہیں تجھ کو جتنے انساں ڈوبنے والے
یہ سارے ۔ ناخدا ہیں مادرِ گیتی کے متوالے

ہیں رہبر لیست ہمّت اور ناہموار راہیں ہیں
گرجتے بادلوں کے درمیاں وحشی فضائیں ہیں
یہ پھر اُس پرستم ہیں سُست رو یہ ہمسفر سارے
ہلے جاتے ہیں جن کے دل بھی ہمدم خوف کے مارے
مگر اے ناخدا کیا تو بھی ہمّت توڑ بیٹھے گا
تلاطم خیز موجوں میں سفینہ چھوڑ بیٹھے گا
نہیں یہ ہو نہیں سکتا ہمیں تو زندگی دے گا
یقیناً تو ہی بیڑے کو تباہی سے بچالے گا

نظر آتے ہیں تجھ کو جنگ کے میداں جو لالہ گوں
فروزاں ہو گئے ہیں پی کے وہ انسانیت کا خوں
مگر گھبرا نہ تو آتش نما بادِ مخالف سے
اسے ٹھنڈا ہی کر دیں گے ہمارے خون کے چھینٹے
جنہوں نے جان دے کر زندگی کے گیت گائے تھے
وہی اے ناخدا اب تک رہے ہیں تجھ کو حسرت سے
ہیں او ناخدا اب دیکھنا ہے تیری پامردی
نجات انسانیت کی چاہتا ہے یا فقط اپنی
سنبھل او ناخدا گرداب میں ہے اب تری کشتی
بڑھا آتا ہے طغیانی سمیٹے سیل بربادی

○

اندھا دیوتا

اجل کنارِ منازل۔ تباہ کوش سفر
کمند دارِ وزن دوش ناخدا آیا
جبیں پہ اس کی سیاہ داغ مسکراتا ہے
اندھیری رات فسردہ فلک ہوا خاموش
اور اس کے درمیاں بدمست لڑکھڑاتا ہے
مگر قدم کبھی اُسی سمت اِس کے اٹھتے ہیں
غنیم جس کے بھروسے پہ وار کرتا ہے
تباہ کاری منزل کی دھن کا متوالا

لہو میں ڈوب رہے ہیں نقوش پا و نظر
ادب سے سر کو جھکاؤ کہ دیوتا آیا
غلام ذہن کے مخصوص گیت گاتا ہے
مگر ہے کہکشاں ایک مشعل کہر آغوش
وطن کا دیوتا بہکے قدم اٹھاتا ہے
جہاں کہ ساز سڑی ہڈیوں کے بجتے ہیں
یہ دیوتا اسی ظلمت کا رنگ بھرتا ہے
پجاریوں کے لہو کا یہ ہر قدم پیاسا

سنبھل سنبھل کے یہ اپنے قدم اٹھاتا ہے
بقدرِ عزم سفر جوش بڑھتا جاتا ہے

○

کھنکتی ہیں جہاں زندانیوں کی زنجیریں
جہاں ضمیر کو چنگیزیت کچلتی ہے
جہاں کہ جبر کی ظلمت فروغ محفل ہے
وہیں سے کورِ نظر دیوتا گزرتا ہے
پکارتا ہے اٹھو ہو گئی نمود سحر
نظر اٹھاتے ہیں انجانی راہ کے رہرو
یہ جانتے بھی نہیں دیوتا کہاں بولا
فضا میں دیوتا۔ نظروں میں راہ عزم سفر
نہیں ہے اتنی بھی فرصت نظر اٹھا ہی سکیں

جنوں نواز جہاں رقص میں ہیں تعزیریں
درندہ حرص کے چہرہ پہ خون ملتی ہے
تباہ کاریٔ عصمت فروغ محفل ہے
ریا و مکر کے طوفاں میں رقص کرتا ہے
ہر ایک سمت نمایاں ہے خنکیوں کا اثر
فریب کھاتے ہیں انجانی راہ کے رہرو
مگر سمجھتے ہیں اِس کو صدائے کوہِ ندا
رواں دواں ہیں بلا امتیاز لطف و خطر
بلند و پستیٔ منزل کو آزما ہی سکیں

یہ دیوتا۔ یہ محراب و شفق یہ جبر قضا
ہوئے ہیں مونس و دم ساز ہم سفر توبہ

○

شامِ وطن

صدہا برس گزر گئے لیکن نگاہ تر
ہو کر شکار بحر ندامت شعار کا

لیلیٰ شب کی جانب مشرق ہے منتظر
تقدیر کا ستارہ فنا ہو کے رہ گیا

یہ کہہ کے چیخ اُٹھتی ہے دنیائے بے کلی
لیکن نوید۔ زیست بداماں امید کی
قسمت کا دست جبر مٹا دیتا ہے اُسے
اک نسل کے گناہوں کا خمیازہ تباہ

اے لو۔ وہ صبح صادق شوریدہ سر ہوئی
دیتے ہیں اپنے خونِ جگر سے اگر کبھی
ناکام ہوش زیست بنا دیتا ہے اُسے
اب اور کتنی نسلیں بھگتتی رہیں گی آہ

اک ہم جبیں پہ داغ ندامت کا کندہ ہے
بے غیرتی سے صبح و مسا مر رہے ہیں
اے مادر شفیق تجھے بھی ہے کچھ خبر
جنت میں اپنی ہار کے کیا سر اُٹھائیں ہم
مدت سے اس کی نوک کو اٹھاتے رہے ہیں ہم

اک موت چوس چوس کے خون اپنا۔ زندہ ہے
قرض اپنے مورثوں کا ادا کر رہے ہیں ہم
ہم بدنصیب دیکھیں گے۔ کب۔ جلوہ سحر
کیسے چراغ شام وطن کو جلائیں ہم
روغن کے بدلے خون جلاتے رہے ہیں ہم

پیمانے بے شمار دلوں کے ترے حضور
اے مادر وطن نگہہ لطف ہو اِدھر
عصیاں کی اپنے۔ کوئی تلافی اگر نہیں
تو پھر خدا کے واسطے تو ایک کام کر
حیوان جیسا جینا ہمیں ناگوار ہے

لایا ہوں بہر نذر عقیدت میں ہو کے چور
اپنے پجاریوں کی یہ نذریں قبول کر
اور کوئی صبح۔ شام الم کی اگر نہیں
اٹھ اور زندگی کو ہماری تمام کر
اور موت بے حیائی کی بھی ننگ و عار ہے

ٹیکا جبیں پہ اپنی جو خونِ جگر کا ہے

وہ لالہ گوں فضا کو کبھی۔ گر بناتا ہے

عزت کی زندگی ہی بسر ہم کو کرنا ہے
پیغمبروں کی موت مریں گے جو مرنا ہے

○

جوانی اور پیری

جوانی کا سمندر موجزن ہو کر جو بل کھائے
تو پھر ریتے کی دیواروں سے مشکل ہے کہ رُک جا
فلک پر بدر کامل جب ضیائے نور برسائے
سمندر کا تلاطم پھر بھلا روکے سے رُک جا
مہ تاباں کے جلووں کا وہی کچھ لطف پاتے ہیں
جو اپنی کشتیاں طوفاں کے نرغے میں چلاتے ہیں
کثافت نالیوں کی جو سِسک کر تھام لیتے ہیں
جو تنگ و تار گوشوں میں تڑپ کر جان دیتے ہیں
منور چاندان مُردہ دلوں کو کیسے برمائے
سمندر کا تلاطم ان کی دُنیا کیسے گرمائے

جہادِ زندگانی کی ترنم ریز طغیانی
مٹا دیتی ہے جب رجعت پسندی کی ہر اک وادی
تو شاخ پیر پر مُردہ سا کوّا بیٹھ جاتا ہے
ہزاروں بد دعائیں سیلِ ہستی کو سناتا ہے
لبِ ساحل کی ان آوارہ آوازوں سے بالاتر
بلند افکار شاہیں عزم راسخ کا حسیں پیکر
تباہی خیز موجوں کی جلو میں اڑتا جاتا ہے
جہاد کامرانی کے ترانے گنگناتا ہے
بپھرتے اور امڈتے پرخطر دریا کے ساحل پر
غلاظت اور کثافت کے دھندلکے چھا گئے بڑھ کر
سڑی لاشوں پہ منڈلائے ہوئے ہیں گدھ اور کوّے
وبا و مرگ کے ہمسر۔ تباہی کے سیہ ہالے

مگر اے خوش نوا بلبل نقیبِ صبحِ زیبائی
تجھے گمراہ نہ کر دے مُردہ خوروں کی غضبناکی
یہ مُردہ خور کیڑے پست ہمت اور کمینے ہیں
نفاق و کبر کے پیکر بڑے ہی بے قرینے ہیں
یہی ملحدِ نگاہِ فکر کو دشنام دیتے ہیں
لہو انسانیت کا قطرہ قطرہ چُوس لیتے ہیں
تو اِن فتنہ گروں پر بے محابا مُسکرائے جا
طلوعِ زندگی کے نت نئے نغمے سنائے جا
طلوعِ سحر کے جلووں سے ہم آغوش ہو جاؤ
حسیں مے ریزلوں کے دوش پر مدہوش ہو جاؤ
شباب غیر فانی اس بساطِ فتنہ ساماں پر
ردائے نیلگوں کو صف بصف آراستہ کر کر

حیاتِ نو میں روحِ قہرمانی جذب کر دے گا
ہر اک کمزور ذرہ میں متاعِ نور بھر دے گا
توہم کی حدوں میں رہنے والے موت کے کیڑے
سمجھ سکتے ہیں کیسے سیلِ جدت کے حسیں رتبے
نمودِ شب کی تاریکی سے جو مسرور ہوتے ہیں
جو تنگ و تار ویرانوں کی خاموشی میں سوتے ہیں
وہ چمگادڑ انھیں کیا واسطہ سورج کی لالی سے
تڑپ اُٹھتے ہیں گھبرا کر شفق کی لالہ کاری سے
جو سُورج کی کرن سے چوندھیا کر تلملا جائیں
جو گھبرا کر درختوں کے تنوں سے سر کو ٹکرائیں
میں اُن سانپوں کے حق میں موت کی للکار ہوتا ہوں
پیامِ مرگ اپنی نغمہ سنجی میں سموتا ہوں

تن آسانی کے خوگر نیند کے ماتے رنجھے پیکر
نفیرِ صبح سے ہو کر وہ برہم اپنے بستر پر

اگر دینے لگیں دشنام تجھ کو فکر مت کرنا
یقیناً جوشِ ہذیاں خود ہی ان کی جان لے لے گا

خود اپنی جان کے دشمن ہیں کم ظرفی کے یہ پُتلے
زمانہ جن کی قبریں کھودتا ہے اپنے ہاتھوں سے

مٹا سکتا نہیں تو زندہ لاشوں کی خباثت کو
نہ کر ناپاک اپنے جوہرِ قابل کی عظمت کو

یہ مینا جھوٹے ٹکڑوں کی پلی زنداں کی یہ راہی
سکھائے گیت گا گا کر ہوئی جاتی ہے دیوانی

پپیہے او پپیہے تو تو آزادی کا خواہاں ہے
ترے نغموں کے زیر و بم سے دورِ جبر لرزاں ہے

تری پرواز بالاتر۔ تری عادت ہے بیباکی
ترا مسکن ہے اوجِ عرش فطرت تیری خودداری

تو اِن ناکارہ کیڑوں کی فضاؤں سے الگ ہو جا
سسکتے بلبلاتے بے حیاؤں سے الگ ہو جا

یہ آب جو یہ پیہم تلملانے ہی کے عادی ہیں
یہ گبریلے فقط چھینٹے اڑانے ہی کے عادی ہیں

تو اے روشن کنول کے پھول پیہم مسکرائے جا
زمانہ اپنی نکہت سے یوں ہی رنگیں بنائے جا

اگر اپنے بدن کے میل سے شفاف تن تیرا
کثیف و بدنما کرنا کوئی چاہے تو مت گھبرا

تجھے کم ظرفیٔ دنیا کا کیوں احساس ہوتا ہے
وہی کچھ لوگ دیتے ہیں جو ان کے پاس ہوتا ہے

درختوں کی یہ فطرت پھول پھل سے ٹہنیاں بھر دیں
فضاؤں میں پرندوں کی ترنم ریزیاں بھر دیں
اگر اُن پر کوئی کم ظرف کلہاڑی چلاتا ہے
تو اس سے ان کی عظمت میں بھلا کیا فرق آتا ہے
شباب تازہ افسردہ نہ ہو دشنام پیری سے
بھگتنا ہی پڑیں گے بوڑھے پن کو اس کے خمیازے
جہاں بھی تو نئی آبادیاں اپنی بسائے گا
وہاں ہر خار بڑھ بڑھ کر تری ہمت گھٹائے گا
مگر آزردہ خاطر تو نہ ہونا اِن حریفوں سے
تو جب چاہے انھیں اک جنبشِ پا سے کچل ڈالے
زمین و آسماں کو نور کے جلوؤں کی چاہت ہے
بہر عنواں جوانی کی زمانے پر حکومت ہے

جوانی کو کسی کے سامنے جھکنا نہیں آتا
بڑھاپا اِس کی نقشِ پا کے ذرّے بھی نہیں پاتا
مبارک ہو ہمیں اب اک نئی دُنیا بنانی ہے
اچھوتی نغمہ سنجی سازِ نو پہ گنگنانی ہے
ہمارے اس نئے تحفہ کو اس دُنیا کا ہر ذرّہ
بڑی تعظیم سے آنکھوں کے گوشوں پر جگہ دیگا
جوانانِ دو عالم زندگی دے کر زمانے کو
فشارِ قبر میں خود سونپ دیتے ہیں بڑھاپے کو
بڑھاپے کی مسلسل گالیوں پر مُسکراتے ہیں
یہ شانِ بے نیازی آیۂ قرآں سناتے ہیں
کبھی یٰسین پڑھ پڑھ کر اُسے تسکین دیتے ہیں
کبھی ہم "راجعون" کی برکتوں سے کام لیتے ہیں

○

بیداری کا راگ

کھلی آنکھوں پہ محو صد گراں خوابی ہوں جو انساں
انھیں تو کس طرح بیدار کر سکتا ہے اے ناداں
جو تن آسانیوں میں مست اور مدہوش رہتے ہیں
سگِ رم خوردہ کی مانند جو خاموش رہتے ہیں
کبھی بیدار کر سکتی نہیں ان کو صدا تیری
انھیں ہوشیار کر سکتی نہیں بانگِ درا تیری
کھڑے ہو کر جنھیں ساحل پہ طوفاں دیکھنا مشکل
ہیں جن کے واسطے یہ نغمہ ہائے رجز لاحاصل
جنھوں نے بند کر رکھے ہوں اپنے گھر کے دروازے
بھلا وہ کب سنیں گے التجائیں۔ آہ اور نالے

مسافر او مسافر بھول جا ان بدمآلوں کو
یہ ماتے نیند کے کب جان سکتے ہیں ملالوں کو
مگر اس خامشیٔ مرگ میں ڈوبی ہوئی فریاد
سنائی دے رہی ہے کاہے بگاہے اے سکون برباد
یہ شیون اس کا ہے نشہ کوئی۔ جس کو سنگھایا ہے
بزعمِ خود ہمیشہ کے لئے۔ گویا۔ سلایا ہے
جگانے کے لئے اُس کو مُغنّی۔ سازِ نو لے آ
اچھوتی طرز میں پھر۔ نغمہ ہائے زندگی بکھرا
وہ مدہوشی کے عالم میں ہوا ہے ایسا خود رفتہ
نہیں معلوم اس کو وہ کہاں ہے اور کہاں دنیا
اُسے کیا ہو خبر وہ ہے اسیرِ حلقۂ افسوں
کہ قطرہ قطرہ کوئی پی رہا ہے اس کے دل کا خوں

سکونِ زندگی بزمِ امکاں بخشنے والے
جگادے توہی جادو اسکے دل میں اپنے نغموں سے
یہی برگشتہ قسمت تیرے پیغاموں کو سمجھے گا
یہی اہل جہاں کو جوہر انسانیت دے گا
مہذب وحشیوں کا دل ہے وہ صحرائے بے پایاں
گیاہ و برگ جس میں ہیں نہ جس میں کوئی نخلستاں
یہی۔ ہاں ۔نعمتیں۔ اہل جہاں سے چھین لیتے ہیں
فقیروں کی طرح ۔یہہ ریزہ ریزہ بین لیتے ہیں
یہی وحشی درندے روپ میں انسان زادوں کے
بنے بیٹھے ہیں ٹھیکیدار اب تہذیب گاہوں کے
وہی ظالم ہے جو انسانیت کا خوں پیتا ہے
مگر تو ہے کہ سب کچھ دیکھتا ہے اور جیتا ہے

ہزاروں سال سے قائم ہے استبداد کا پودا
مبارک ہو۔ کہ وقت اب اسکی جڑ کٹنے کا آپہونچا
ارے او شاعر آتش نوا تجھ کو جھجک کیا ہے
جو خود تدبیر کرتے ہیں۔ خدا بھی ساتھ دیتا ہے
بس اب تو چھیڑ دے وہ ساز جو کمزور ذروں کو
بنا دے عرش رفعت پھونک دے نخوت پسندوں کو

○

میرے نغمے

سہانی اُن کی ہر آواز ہے نغموں کی دنیا میں
ہیں جن کی کھیتیاں شاداب قائم کوہ وصحرا میں

زمیں کو گوندھنے اور ظلموں کو زیر کرنے پر
ہوئیں مضبوط جن کی مٹھیاں جیسے کہ ہوں پتھر

جنہیں وحشت زدہ دنیا کے سہمے سہمے ویرانے
ہمیشہ پیش کرتے ہیں گلستانوں کے نذرانے

میں ان کے گیت گاتا ہوں میں ان کے گیت گاتا ہوں

جنہوں نے اس ضعیف ولیست و بے احساس دنیا کی
خموشی موت جیسی ختم کر کے زندگی بخشی

ہوئے جب نعرہ زن وہ لوگ فرق کامرانی میں
زمانہ کانپ اٹھا لگ گئی خود آگ پانی میں
محبت کا جنھوں نے ہر ترانہ اس طرح گایا
خدائی جھوم جھوم اٹھی خدا بھی جھوم جھوم اٹھا

میں ان کے گیت گاتا ہوں میں ان کے گیت گاتا ہوں

نہیں مرعوب قید و بند و غم سے ولولے جنکے
چمک میں چاند تاروں سے زیادہ حوصلے جنکے
مہ و اختر ہیں نار و خلد و عرش کبریائی میں
پیام زندگی جو نشر کرتے ہیں خدائی میں
جو قزاق اجل سے بھی خراج زیست لیتے ہیں
لڑائی کے جوئے خانوں سے بازی جیت لیتے ہیں

میں ان کے گیت گاتا ہوں میں ان کے گیت گاتا ہوں

پھریرے انقلابوں کے سدا لہراتے رہتے ہیں
ترانے کامرانی کے ہمیشہ گاتے رہتے ہیں
یہ شمع زندگی کے سربکف متوالے پروانے
پیالہ زہر کا دار و رسن کے چاہنے والے
جنہوں نے نت نئی جنت بنائی اور فنا کردی
نہیں روکے سے رُک سکتی ہے جن کی حوصلہ مندی
ہمالہ جن کی رفعت کے ترانے روز گاتا ہے
سمندر خشک ہو کر رہگذر جن کی بناتا ہے
جنہیں دریا و طوفاں کوہ و صحرا کی نہیں پروا
غم دشنام ہے جن کو نہ خطرہ بددعاؤں کا

میں اک بے مایہ شاعر ان کی خدمت اور کیا کرتا
بجز حمد و ثنا۔ نذر عقیدت اور کیا کرتا
اُنھیں کے آستانوں پر جبیں اپنی جھکاتا ہوں
انھیں محفل میں ان کی نغمہ رنگیں سناتا ہوں

میں ان کے گیت گاتا ہوں میں ان کے گیت گاتا ہوں

○

پیغام شباب

شباب غیر فانی کے اچھوتے گیت گاتا ہوں
جواں ہوں میں جوانی کے ترانے گنگناتا ہوں

جو شمشیروں کو لہرائے ہوئے سرشار دنیا میں
بڑھی جاتی ہے نامعلوم منزل کی تمنا میں
وہ منزل جس کی بربادی کناں تاریخ کے شعلے
سیہ ماضی کے اوراق پریشاں کو جلا دیں گے
جوانی اُن معابد کو فنا کرتی ہی جاتی ہے
جہاں بوڑھی خباثت مکر کا جادو جگاتی ہے
جہاں بزدل بڑھاپا نوعِ انساں کی تباہی سے

طلسم معصیت کے کھینچتا ہے نت نئے نقشے
جوانی کی ابھرتی زندگانی جب سنورتی ہے
تباہی کوششوں کے دوش پر جب رقص کرتی ہے
رواج و رسم کی اونچی چٹانیں لڑکھڑاتی ہیں
قدامت کی چٹختی ہڈیاں خود ٹوٹ جاتی ہیں
وہ گل گور غریباں کے جوانی روند دیتی ہے
گلے میں ہار جن پھولوں کے دنیا پہن لیتی ہے
جواں ہوں میں جوانی کے ترانے گنگناتا ہوں
شباب غیر فانی کے اچھوتے گیت گاتا ہوں
اضافہ ہو رہا ہے تو یہ نو عرفان ہستی میں
جوانی آج کل ہے پیش رو چوگانِ ہستی میں
وہ رہرو صبح تک بھی اپنی منزل کو نہیں پہونچا

تلاطم خیز دریا میں سفینہ جس نے ڈالا تھا
اُسی دیوانہ ساحل کا ماتم کرتا رہتا ہوں
اُسی کے واسطے راتوں کو آہیں بھرتا رہتا ہوں
وہ انجانی ڈگر کا راہرو وہ نور کا جویا
اندھیری شب کی تاریکی میں گم ہو کر نہیں لوٹا
وہ غازی جس سے جبروتی فضا گھبرایا کرتی ہے
ہمیشہ موت جس کے نام سے تھرایا کرتی ہے
وہ انساں جو ہلاکت کے تھپیڑے موڑ دیتا ہے
وہ انساں جس کو ڈس کر سانپ خود دم توڑ دیتا ہے
اُسی کے آستانے پر میں اپنا سر جھکاتا ہوں
شباب غیر فانی کے اچھوتے گیت گاتا ہوں
سمندر میں - فضا میں - آسمانوں خوف گاہوں میں

جہاں زندگانی کی ہلاکت بخش راہوں میں
وہ انساں نو بہ نو رنگینیوں کا نور بھرتا ہے
بانداز جوانمردی اجل سے جنگ کرتا ہے
کنیزی میں ہیں جس کے ۔ بادلوں کی بیٹیاں ہمدم
رہا کرتی ہیں جس کی مٹھیوں میں بجلیاں پیہم
ہمیشہ کرتے ہیں دار و رسن جس کی گلوگیری
ثنا خواں ہوں اسی کا ٹوٹتی ہے جب پہ چنگیزی
شفق جس کے لہو سے سرخیوں کا جام لیتی ہے
قضا و قدر جس کی خلوتوں کو تھام لیتی ہے
حضوری میں رہا کرتا ہے جن کے سیل بربادی
قدوم نازمیں رقصاں ہے جس کے لطف آزادی
اُسی مرد مجاہد کے ترانے گنگناتا ہوں
شباب غیر فانی کے اچھوتے گیت گاتا ہوں

○

حقائق

نگاہِ اوّلین

پہلی نگاہ دل میں سماتی چلی گئی
ہر منظرِ حیات پہ چھاتی چلی گئی

بے کیفیوں کو کیف میں لاتی چلی گئی
بھر بھر کے جام مجھ کو پلاتی چلی گئی

ہستی کا ہر حجاب اٹھاتی چلی گئی
فطرت کو بے نقاب بناتی چلی گئی

ہر سو فضا میں پھونک کے افسونِ رنگ و بو
سارا جہان جواں بناتی چلی گئی

ارض و سما پہ نور سا چھاتا چلا گیا
کون و مکاں کو طور بناتی چلی گئی

خاموشیوں کو نغمۂ فردوس بخش کر
موسیقیٔ تمام. بناتی چلی گئی

دنیا میں روح پھونک کے شعر و شباب کی
رنگیں قیامتوں کو جگاتی چلی گئی

دے کر جمال خاص کی ہلکی سی اک جھلک
کانٹوں کو لالہ زار بناتی چلی گئی

دنیا پہ اک شباب سا آتا چلا گیا
ہر چیز پہ بہار سی چھاتی چلی گئی

پردے نیاز و ناز کے اٹھتے چلے گئے
تفریق حسن و عشق مٹاتی چلی گئی

اب میں ہوں اور حشر خلش اس نگاہ کی
آداب زندگی جو سکھاتی چلی گئی

○

سلام

کلی کلی کی نگاہیں سلام کہتی ہیں
شباب نو کی فضائیں سلام کہتی ہیں

جو ہو چکا ہے جمال رخ حسیں پہ نثار
اُسی غریب کی آہیں سلام کہتی ہیں

ترے حضور سے جا جا کے جو پلٹ آئیں
وہ نا تمام دعائیں سلام کہتی ہیں

تری نظر سے جو انگڑائی لیکے اٹھی تھیں
وہی فسردہ نگاہیں سلام کہتی ہیں

جہاں لٹائے تھے نغمے ترے تبسم نے
وہ غم نصیب فضائیں سلام کہتی ہیں

سکھائی تھی کبھی تو نے سبک روی جنکو
وہ بہکی بہکی ہوائیں سلام کہتی ہیں

صلہ وفاؤں کا چاہوں ارے معاذ اللہ.
جفا کو میری وفائیں سلام کہتی ہیں

خدا کے واسطے اب مست انکھڑیوں سے پلا
یہ اودی اودی گھٹائیں سلام کہتی ہیں

جہاں کہ گیت "سکھی پی کہاں" کا گایا تھا
اسی چمن کی فضائیں سلام کہتی ہیں

○

خوابِ جمیل

سوتے سوتے جاگ اٹھا تھا میں تجھ کو دیکھ کر
ساز دل مضراب جلوہ کا ہے ممنون اثر
ہر طرف عنبر فشاں تھی مست اور ٹھنڈی ہوا
رقص کرتے تھے مہ و انجم فراز چرخ پر
جذب کامل کھینچ لایا حسن کامل کے قریب
ہائے پھر بھی میں رہا ناکام منزل کے قریب
ہوگیا رعنائی یاد سحر کا ختم جوش
اپنی نکہت میں گل تر کھوچکا تھا اپنا ہوش
یک بیک ٹوٹا طلسم خواب نوشیں اس طرح

نزد گل ہو جائے بلبل جس طرح چلکہ خموش
اے مری جانِ تمنا مشعل راہ وفا
ہو نیاز عشق پائے ناز پر تیرے فنا
ناامیدی سے ہوں کس درجہ حزیں و بے قرار
خشک لب پژمردہ چہرہ اشکبار و دل فگار
ارتباط خاص سے اب چشم و لب کر شاد کام
آ ادھر آ میری جانب اے مری جان بہار
دل کی دھڑکن سے بڑھی جاتی ہے بیحد بے کلی
مجھ کو سینے سے لگا کر بخش فردوسی خوشی

○

شاعر کی دنیا

افق سے دور جنت کے قریں اک ایسی بستی ہے
جہاں عرشِ محبت سے مے فطرت برستی ہے
محبت کے ترانوں میں جہاں دریا مچلتے ہیں
ہر اک لمحہ جہاں چشمے مسرت کے ابلتے ہیں
چٹک کر جس جگہ عشرت کے غنچے رقص کرتے ہیں
جہاں گلہائے معنی عطر کوثر میں سموتے ہیں
جہاں رومان کی ٹھنڈی ہوائیں چلتی رہتی ہیں
جہاں آغوشِ عصمت میں فضائیں ڈھلتی رہتی ہیں
جہاں آپس میں جنگ مال و زر حاشا نہیں ہوتی
امیری مفلسی میں چھیڑ چھاڑ اصلا نہیں ہوتی

یہاں چرچہ نہیں ہوتا کبھی ایمن کی وادی کا
یہاں کرتا نہیں مجبور شکوہ نامرادی کا
کلیم اس جادہ مقصود میں ہر صاحبِ دِل ہے
خدا سے اِس جگہ شرفِ تکلم سب کو حاصل ہے
مذاہب کے لئے کٹتی نہیں ہیں گردنیں اِس جا
یہاں دولت کا اندھا خون غربت کا نہیں پیتا
یہاں پر کج کلاہی کے سروں کو روندا جاتا ہے
تباہی خیز ارادوں کو یہاں ٹھکرایا جاتا ہے
یہاں مغزِ رعونت اک چراغ نو میں ڈھلتا ہے
بجائے شمع محفل ظالموں کا خون جلتا ہے
یہاں تفریق کے اڈوں میں جا جا کر نہیں پھنستے
حسن ابن صباح جیسے یہاں ڈھونگی نہیں بستے

وہاں گرتی ہے بجلی جس جگہ مظلوم روتے ہیں
وہاں تو ہیں گرجتی ہیں جہاں پر ظلم ہوتے ہیں
یہاں بجلی گرا کرتی نہیں قصرِ محبت پر
یہاں تو ہیں گرجتی ہی نہیں ایوان رفعت پر
بدی کا ذکر کیا اس جا ہیں یکساں ظاہر و باطن
خیال معصیت کوشی ہے اس بستی میں ناممکن
یہی کونین کا حاصل یہی روح تمنا ہے
یہی شاعر کی دنیا ہے یہی شاعر کی دُنیا ہے

○

ساحل گنگا پر ایک رات

مے ریز ہوئی رات بجھے دن کے شرارے — مہتاب کی کرنوں سے سنوارے گئے دھارے
ہر سمت وہ انوار کے بکھرے ہوئے پارے
گنگا کے کنارے ارے گنگا کے کنارے

اک چاند فلک پر تھا بصد شان درخشاں — اک قلب میں گنگا کے تھا خورشید بداماں
دونوں میں ہوئے باہمی رہ رہ کے اشارے
گنگا کے کنارے ارے گنگا کے کنارے

لہروں کا ہواؤں کے ترنم پہ ابلنا — موسیقی کا خاموشی میں رہ رہ کے مچلنا
نغمات ہی نغمات تھے ہر سمت نظارے
گنگا کے کنارے ارے گنگا کے کنارے

بپھری ہوئی موجوں پہ جواہر کا مچلنا — چاندی کا پگھلنا کبھی ہیروں کا ابلنا

اُڑتے ہوئے تارے کبھی گرتے ہوئے تارے
گنگا کے کنارے ارے گنگا کے کنارے

مندر سے وہ ناقوس کی ہلکی ہوئی آواز   موجوں کے تبسم میں وہ نغمات فسوں ساز
بجنے لگے ہر سمت کدارے ہی کدارے
گنگا کے کنارے ارے گنگا کے کنارے

ساحل پہ وہ مخمور فضاؤں کا ترنّم   اک شوخ پجارن کا وہ انداز تکلّم
بھولا ہوں نہ بھولوں گا یہ رنگین نظارے
گنگا کے کنارے ارے گنگا کے کنارے

○

تقدیس جمال

برسات کی رنگین فضاؤں میں چلا میں   مستانہ وِ مے ریز ہواؤں میں چلا میں
کچھ جھومتا مخمور جوانی کے سہارے   پہونچا جو دمِ صبح میں دریا کے کنارے
مے بار لگا ہوں نے مری چاند کا ٹکڑا   سایہ میں درختوں کے چمکتا ہوا دیکھا
مشرق سے نکلتے ہوئے سورج کی شعاعیں   رُک رُک کے حسیں چہرہ کی لیتی تھیں بلائیں
اٹھلائی ہوئی چال تھی ممنونِ جوانی   دریا کی روانی تھی ہوئی شرم سے پانی
ماتھے پہ وہ قشقہ کا دل افروز نظارا   جیسے کہ شب ماہ میں چمکے کوئی تارا
اک سبز سی ساری میں گلابی سادہ مکھڑا   نوخیز مہکتا ہوا جیسے کوئی غنچا
آنچل تھا جُدا سر سے پریشان تھے گیسو   پیغام جنوں دیتی تھی عریانیٔ بازو
تھی محو خیالوں میں جہاں تھی وہ جدھر تھی
موجودگیٔ غیر کی مطلق نہ خبر تھی

○

دریا پہ جو پہونچی نئے نغموں کو جگایا　　چلّو میں چھلکتے ہوئے پانی کو اٹھایا
منتر سے بھتے کچھ لب پہ نظر جانبِ خورشید　　جیسے کسی اوتار کے آنے کی ہو اُمید
گردن کبھی خم کرتی تھی رقصاں تھی کبھی وہ　　واقف نہ تھی آدابِ پرستش سے ابھی وہ
دوشیزہ وہ دریا پہ بھی تصویرِ حیا تھی　　بکھری ہوئی زلفوں کو لئے حرفِ دُعا تھی

جذباتِ تعشق نے بصد شوق رکنایا
سوئی ہوئی دنیائے محبّت کو جگایا

ارمانوں کی دنیا لئے سینہ میں بڑھا میں　　اس حسن مکمل کے قریں آ ہی گیا میں
دل تھامے ہوئے میں نے کہا حُسن کی دیوی　　پُوجا کی ضرورت لبِ دریا تجھے کیا تھی

کیوں پیشِ بتاں خم نگہہ ناز کئے ہے
تو خود مہ خوبی ہے پرستش کے لئے ہے

تقدیس کی دُنیا سے الگ ہو کے وہ لوٹی　　اور نیچی نگاہوں سے مجھے دیکھ کے بولی
تخلیق کا اپنی تمہیں احساس نہیں ہے　　بندے ہو عبادت کا مگر پاس نہیں ہے

ہر ذرّہ ہے خورشید کی تابش سے منوّر　　ہے بندگی خالق کل فرض جہاں پر
دُنیا کی ہر اک چیز ہے جب پرتوِ باری　　ہر شے کی ہے تقدیس نگاہوں میں ہماری
تم بھی تو صباحت کی ملاحت کی ہو تصویر　　تم میں بھی تو صورت گرِ عالم کی ہے تنویر

آؤ کہ عقیدت کی نگاہوں سے میں دیکھوں
معصوم محبّت کی نگاہوں سے میں دیکھوں

○

عورت شاعر کی نظر میں

اساس آدمیت اور بنیاد مروت ہے — نظام بزم امکاں جس سے قائم ہے وہ عورت ہے
وہ عورت ہے کہ گل تر کا تبسم جس پہ قرباں ہے — وہ عورت ہے جو وجہ زینت و تخلیق انساں ہے
محبت جس کی فطرت ہے محبت جس کی خلقت ہے — وہ عورت ہے وہ عورت ہے، وہ عورت ہے، وہ عورت ہے

جو عورت مسکرا دے چاند تارے کھل کھلا اٹھیں
زمانہ جاگ اٹھے اور فضائیں مسکرا اٹھیں

کبھی جس کی نظر سے کوئی دل میں رنگ بھرتا ہے — کبھی جس کے اشاروں پر زمانہ رقص کرتا ہے
کبھی بناضیٔ درد و الم کرتی ہے نظروں سے — کبھی جذبات میں رنگینیاں بھرتی ہے نظروں سے
نگاہوں سے کبھی برق تپاں کا کام لیتی ہے — کبھی لمحات غم انگیز میں تسکین دیتی ہے
سزا دیتی ہے عرض شوق کو جو بے نیازی سے — مجازی شان میں جلوے دکھاتی ہے حقیقت کے

تبسم جس کی خاموشی ترنم جس کی گویائی
قیامت جس کا بچپن ہے قیامت جس کی برنائی

نگاہوں سے کبھی جو بخشتی ہے کیف فردوسی — تجلی سے کبھی دیتی ہے اذن خود فراموشی
نظر سے جو کبھی نشتر لگاتی ہے رگ جاں پر — نگاہوں سے کبھی رکھتی ہے مرہم زخم پنہاں پر
بنا دیتی ہے جو گلشن تبسم سے بیاباں کو — وہ چنگاری ہے لیکن پھونک سکتی ہے گلستاں کو

جہان رنگ و بو میں آنکھ جب انساں نے کھولی
خدا کی جس حسیں مخلوق کو دیکھا وہ عورت تھی

نہیں بحر گہر بر کف میں ایسا کوئی موتی جو — کسی عورت کے آنسو کے برابر مول رکھتا ہو
اگر آنسو چھلک آئیں کسی عورت کی آنکھوں میں — فرشتے کانپ اٹھیں محشر بپا ہو آسمانوں میں
میں بجلی کی کڑک سے ہم نشیں ہرگز نہیں ڈرتا — میں توپوں کی گرج کی بھی ذرا پرواہ نہیں کرتا

لرز جاتا ہوں لیکن دیکھ کر اندوہگیں عورت
مجسم آہ بن جائے ترنم آفریں عورت

○

کیا میں بھی تمھیں یاد آتا ہوں

جب مست فضائیں ہوتی ہیں　　مے ریز ہوائیں ہوتی ہیں
جب دھندلی دھندلی راتوں میں　　بیتاب ادائیں ہوتی ہیں
کیا میں بھی تمھیں یاد آتا ہوں

تجدید محبت ہوتی ہے　　جب شرح مسرت ہوتی ہے
جب روح پریشاں کی خاطر　　تفسیر عقیدت ہوتی ہے
کیا میں بھی تمھیں یاد آتا ہوں

جب جھومتا بھونرا آتا ہے　　اور درد کی دنیا لاتا ہے
برہ میں تڑپ کر ساجن کے　　ملہار کوئی جب گاتا ہے
کیا میں بھی تمھیں یاد آتا ہوں

جب عشق مچلتا ہوتا ہے　　اور چاند نکلتا ہوتا ہے

دریائے محبت سے پیہم　　جب کیف ابلتا ہوتا ہے
کیا میں بھی تمھیں یاد آتا ہوں
پوجا کے لئے جب جاتی ہو　　تھالی میں پھول سجاتی ہو
دیوی کے چرن کو جب چھوکر　　لبریز عقیدت آتی ہو
کیا میں بھی تمھیں یاد آتا ہوں

○

سرِ راہے

وہ ایک لڑکی نڈھال وغمگیں بدن سمیٹے نظر چرائے
وہ بہکے بہکے قدم اٹھاتی نظر میں ویرانیاں بسائے
عجیب انداز بے خودی سے لرز لرز کر وہ جا رہی ہے
جبیں سبزہ پہ دھندلی دھندلی لکیر سی اک بنا رہی ہے
سیاہ بالوں سے چھن رہا ہے الم میں ڈوبا ہوا دھندلکا
بدن کے سانچے میں ڈھل رہا ہے خزاں کا اک جانگداز نغمہ
خموش وغمگین چال اس کی کسی حسین فکر سے بھری ہے
سیاہ ساری کی سرسراہٹ میں غم کی دھیمی سی راگنی ہے
اُداس پلکوں کی چھاؤں میں ہے کسی حسیں غم کا آشیانہ
جھلک رہا ہے گلابی آنکھوں سے راز دل بن کے اک، فسانہ

نگاہ میں فکر کے شرارے جبیں پہ حسرت مچل رہی ہے
لبوں کی خاموش کپکپاہٹ الم کے شعلے اُگل رہی ہے
یہ غیندا جلتی سی انکھڑیوں میں یہ مست وباریک سرخیاں سی
یہ کون جانے کہ رات بھر وہ بجائے سونے کے رو رہی تھی
یہ آخر اتنی اداس کیوں ہے میں کاش یہہ راز جان سکتا
یہ اس کی روشن سی انکھڑیوں میں ہے کن خیالات کا اندھیرا
شباب اُس کا ہے کیوں فسردہ خیال اس کا ہے کیوں پریشاں
ٹھہر ٹھہر کر ہر اک قدم پر وہ کیوں ہوئی جاتی ہے ہراساں
کسی کی ناپائیدار چاہت نے اُس کو ناشاد کر دیا کیا
کسی کی ظالم ہوس نے اس کو تباہ و برباد کر دیا کیا
شباب کی مستیوں میں بہک گیا ہے کہیں قدم کیا
کہیں ڈرا تو نہیں رہا ہے حسیں گنہہ کا اُسے نتیجہ

ہے یہ بھی ممکن کہ بے سبب وہ اُداس رہنا ہی چاہتی ہو
لطیف آغوش غم میں رہ کر الم کو سہنا ہی چاہتی ہو

ذرا ٹھہر اے اداس لڑکی حدیث دل زیر لب سنا دے
مجھے بھی آ آشنائے غم کر مجھے بھی راز الم بتا دے

○

کروٹ

وہ اک نظام مشیت جسنے لوٹا تھا سکوں میرا
پریشاں کر دیا تھا زندگی کا جس نے شیرازا

کچھ ایسے نغمے اس کے بربط فطرت پہ ہیں رقصاں
مرے لمحات عہد رفتہ جس سے ہو گئے رخشاں

سکون مضطرب وحشت زدہ دل میں مچلتا ہے
فسردہ زندگی کا دور اب کروٹ بدلتا ہے

مری بے حس طبیعت گدگدانے کوئی آتا ہے
چراغ آرزو کی لو بڑھانے کوئی آتا ہے
جوانی پھر شراب ناب میں ڈوبی ہوئی آئی
حیات غمزدہ پر یک بیک پھر تازگی چھائی

○

کسے معلوم لیکن روح بیکس کی پریشانی

ابد کی مطمئن رنگینیوں میں حشر سامانی

فنائے زیست کی کچھ بے سر و ساماں سی تصویریں

اُسے رہ رہ کے پیہم دیتی ہوں گی سخت تعزیریں

نقوش عہد ماضی اس کی نظروں میں نہ کیوں ابھریں

فضائے قدس میں کیوں چاندنی راتیں نہ یاد آئیں

اُسے حق ہے کہ میری زندگی پر لطف فرمائے

رقابت کی نگاہوں سے کسی ہستی کو وہ دیکھے

مرا یہ انقلاب زیست اُس کو کیوں نہ برمائے

اُسے اپنی امنگوں کی تباہی کیوں نہ تڑپائے

ٹھہرا ہے تو شریک زندگی آنسو بہا تو لوں

حضور پیکر مہر و وفا سر کو جھکا تو لوں

○

میں جلال ظلِ یزداں تو اسیر تاجداری   میرے نام سے لرزتی ہے جبینِ شہریاری

تو جہانِ رنگ و بو میں ہے رفیق پائمالی   ہے رگوں میں میرے رقصاں مرا جذب شعلہ باری

تیرے حوصلے شکستہ تیری ہمتیں پریشاں   میرے دم قدم سے قائم ہے جہانِ کامگاری

تری حرص ہے سسکتی تری زیست ہے تڑپتی   مری زندگی جہاں میں ہے پیام سازگاری

تری روح پر مسلط ہے کثافت گزشتہ   مرے دل میں ہے درخشاں مری فکر استواری

ترے بہکے بہکے وعدوں کی کشش تو مٹ چکی ہے   مری فہم ارتقا کا ہے جہاں پہ وجد طاری

مرا نقش پا ہے سجدہ گہہ فرقِ تاج نخوت   تجھے پیش کبر و سطوت ہے غرورِ سجدہ کاری

تو ضمیر کو سمجھتا ہے غلامِ بابِ دولت   مرا پیکر عمل ہے مرے دل کی استواری

تری عصمتیں شکستہ تری عفتیں برہنہ   مری عظمتِ خودی کی ہے جہاں میں لالہ کاری

ترا طور تنگ ظرفی ۔ تری فکر سہمی سہمی   مری روح بپھری بپھری کہ لگائے ضرب کاری

تو زمیں کا بوجھ بن کر ہوا ایسا خوار و رسوا
کہ تمیز نیک و بد سے ہے شعار تیرا عاری

تری خود پسند فطرت، ترا مرگ زا عقیدہ
تری شکل سے عیاں ہے کہ تو ہے ستم رسیدہ

○

واردات

کچھ غزلیں

زہے تقدیر میرا خوگرِ جور و جفا ہونا
خوشا قسمت مری مجبوریوں کی انتہا ہونا

ہے عقل و ہوش کو نذرِ ادائے دلربا ہونا
ذرا آئینہ بر کف اے جمالِ خود نما ہونا

ہر اک سجدے سے کر بنیادِ محرابِ حرم قائم
ہے ننگ بندگی اے دل خیالِ نقشِ پا ہونا

ہے تخریبِ مکمل ابتدا ہر کامیابی کی
مبارک ہو مجھے بربادیوں کی انتہا ہونا

کئے آخر جنوں نے ٹکڑے ٹکڑے جیب و داماں کے
نہ راس آیا مجھے میر اسکوں نا آشنا ہونا

حدِ عصیاں سے رکھ کر دور ذوقِ مغفرت کیا
بشر کو لازمی ہے پیکرِ جرم و خطا ہونا

حصولِ شوق کی کوشش ہی بربادی کا باعث ہے،
یہی کیا جرم کم ہے حشرؔ پابندِ وفا ہونا

○

ہستی کا ہر حجاب اٹھاتا چلا گیا — میں خود ہی اپنے سامنے آتا چلا گیا

دل میں کسی کا درد بڑھاتا چلا گیا — دشوارئِ حیات پہ چھاتا چلا گیا

حسن تصورات بڑھاتا چلا گیا — یعنی اُنہی کو سامنے لاتا چلا گیا

اللہ رے مست مست نگاہوں کی برکتیں — جیسے کوئی شراب پلاتا چلا گیا

کیف آفرینیاں نگہہ حسن کی نہ پوچھ — ہر چیز پر شباب سا آتا چلا گیا

پردے حریم ناز کے اٹھتے چلے گئے — جتنا کہ میں قریب تر آتا چلا گیا

جتنا سکونِ دل وہ مٹاتے چلے گئے — اتنا ہی دل سکون میں آتا چلا گیا

رگ رگ میں حشر پھونک کے برقِ جمالِ دوست
میں اپنی زیست بناتا چلا گیا

چھیڑ نہ شوقِ مضطرب تار ابھی سے ساز کا — رنگ تو پہلے دیکھ لے دعوت کی بزم ناز کا

آج فضائے دوجہاں وجد لٹائے جاتی ہے — چھیڑ دیا یہ کس نے سازِ عشق جنوں طراز کا

عشق کی روحِ ذوق پر ایسی قیامتیں نہ ڈھا — اپنے جمالِ خاص میں رنگ نہ بھر مجاز کا

پاؤں میں لغزشیں ہیں کیوں روح میں اضطراب کیوں — آگیا کیا قریب اب بابِ حریم ناز کا

جس پہ نگاہ پڑ گئی وہ ہی حسیں وہی جواں — یہ بھی ہے حُسنِ معجزہ گردشِ چشم ناز کا

ہم سے ہی شہرتیں ہوئیں ہم نے حسیں بنا دیا — آپ یہ ہے یہ سبب کرم عشق کے امتیاز کا

کون کہے گا حالِ دل کون سنیگا دل کا حال — عشق کا طور بیخودی حُسن میں رنگ ناز کا

حدِّ کمال رنج ہی منزلِ انبساط ہے — تجھ پہ کرم یہ کم نہیں سوزِ جگر گداز کا

یعنی قیامتیں اُٹھیں اٹھکے قدم کو چوم لیں
حشر یہی ہے مدّعا ان کے خرام ناز کا

یہ منظرِ ناکامی بھی دید کے قابل تھا
دم توڑ رہا تھا میں اور سامنے ساحل تھا

کم مائگی دل سے تقدیر کا قائل تھا
مقدور ہر اک شے پہ ورنہ مجھے حاصل تھا

وہم غم ناکامی ہر حال میں شامل تھا
آسودۂ منزل بھی گم گشتہ منزل تھا

جو کچھ تھی محبت تھی جو کچھ تھا مرا دل تھا
دریا تھا نہ موجیں تھیں طوفان تھا نہ ساحل تھا

آخر مجھے لے ڈوبی آسان طلبی دل کی
دیکھا تو حقیقت میں طوفان ہی ساحل تھا

چین اور سکوں کیسا دھڑکن میں کمی کیسی
دل اپنے فرائض سے یوں کہئے کہ غافل تھا

ان مست نگاہوں سے ٹکرا کے میں ڈوبا ہوں
موجیں یہی موجیں تھیں ساحل یہی ساحل تھا

گم ہونے کی لذت تھی اے حشرؔ عجب لذت
ہر گامِ رہِ منزل میرے لئے منزل تھا

بلند سطحِ نظر سے مرا مقام ہوا
یہ ذوقِ بےخودی دل کا احترام ہوا

تجلیاتِ حقیقت مجاز بن کے رہیں
محیطِ کون و مکاں حسن کا نظام ہوا

ترے کرم ہی نے بخشی مجھے نوید حیات
ترا کرم ہی مجھے موت کا پیام ہوا

مرے نصیب میں دُنیا کے رنج و غم آئے
ازل میں داد و دہش کا جو اذنِ عام ہوا

خیال یہ تھا کہ مل کر ملے گا مجھ کو سکوں
مآل یہ ہے کہ جینا مرا حرام ہوا

حریمِ حُسن کے پردوں میں آگئی جنبش
ہوا ہوا مرے سجدوں کا احترام ہوا

ابھی سے اشک ندامت گرائے جاتے ہیں
ابھی فسانۂ غم ہی کہاں تمام ہوا

یہ التفات ہی شاید فریبِ حسن نہ ہو
حضورِ دوست ہوا مرا احترام ہوا

کمالِ جلوہ ہے یا حشرؔ اپنی کم ظرفی
رہا نہ ہوش جو وہ رونمائے بام ہوا

○

اضطراب انگیز ہے ہر اک خوشی تیرے بغیر
اک عذاب مستقل ہے زندگی تیرے بغیر

کچھ تجھے بھی ہے خبر اسکی کہ اے جنت نشیں
کس قدر محسوس کرتا ہوں کمی تیرے بغیر

میں اگر چاہوں تو جی بھر کر بھی رو سکتا نہیں
دیدنی ہے اب مری بیچارگی تیرے بغیر

ہے وہی عالم وہی رنگیں فضائے کائنات
پھر بھی ہے بے کیف میری زندگی تیرے بغیر

آہ لب پر سوز دل میں سینہ خالی آنکھ نم
زندگی اک پیکر غم بن گئی تیرے بغیر

ہر شعاع ماہ لیکر آتی ہے ماضی کی یاد
بجلیاں برساتی ہے یہ چاندنی تیرے بغیر

المدد اے دل نواز حشر اے روح حیات
ساری دنیا بن گئی ہے اجنبی تیرے بغیر

○

○

یاس و الم بھی جو میسر خوشی نہیں
یوں بھی دل حزیں تیری قسمت بری نہیں

کب کب دل حزیں تری دنیا بسی نہیں
کب کب نگاہِ ناز قیامت بنی نہیں

مشکل میں سچ کہا ہے کسی کا کوئی نہیں
اب میری بیکسی بھی مری بیکسی نہیں

کیا میرے دل میں ضبط کی طاقت رہی نہیں
میں دیکھتا ہوں اُن کے لبوں پر ہنسی نہیں

بیٹھا ہوا ہوں لب پہ تبسم لئے ہوئے
لو اب تو تمکو مجھ سے کوئی برہمی نہیں

اس ڈر سے جی رہا ہوں کہیں وہ یہ کہہ نہ دیں
سختی حیاتِ غم کی اٹھائی گئی نہیں

حسرت ۔ غم فراق ۔ الم اور بیکسی
یہ زندگی ہے اس سے سوا زندگی نہیں

پھرتا ہوں دل میں درد کی دنیا لئے ہوئے
پھر بھی کسی سے شکوہ بیچارگی نہیں

آجاؤ سامنے تمھیں جی بھر کے دیکھ لوں
اس دم کا کیا بھروسہ ابھی ہے ابھی نہیں

اے حشر زندگی ہے محبت کی زندگی
جس زندگی میں موت کوئی چیز ہی نہیں

○

O

محبّت بہ نوعِ دگر دیکھتا ہوں — میں اب غم ہی غم جلوہ گر دیکھتا ہوں

حسین انکھڑیوں کا اثر دیکھتا ہوں — بہکتی ہوئی ہر نظر دیکھتا ہوں

تڑپ اٹھتے ہیں دل میں نشتر ہی نشتر — اگر چاند کو بھول کر دیکھتا ہوں

جدائی میں دل کے تڑپنے کا عالم — نہیں دیکھ سکتا۔ مگر دیکھتا ہوں

امنگوں بھرے دل کی مجبوریوں پر — جوانی کو میں نوحہ گر دیکھتا ہوں

میں اپنی شبِ غم کی دو کروٹوں میں — دو عالم کو زیر و زبر دیکھتا ہوں

نظر کو سکھاتا ہوں آدابِ اُلفت — انھیں رکھ کے پیشِ نظر دیکھتا ہوں

فریبِ محبّت فریبِ تمنّا — جہاں دیکھتا ہوں جدھر دیکھتا ہوں

کچھ ایسے بھی لمحے گذرتے ہیں اکثر — انھیں جیسے پیشِ نظر دیکھتا ہوں

تصور بھی تھا حشر جس کا قیامت
وہ عالم ہی پیشِ نظر دیکھتا ہوں

O

ذرا گہری سی دل پر چوٹ کھاؤ تم تو میں جانوں
کبھی غمگین رہ کر مسکراؤ، تم تو میں جانوں

کبھی بے کیفیِ ہستی مٹاؤ تم تو میں جانوں
کبھی نظروں ہی نظروں میں پلاؤ تم تو میں جانوں

جفا و جور کی دنیا وفا و مہر کا عالم
مٹاؤ تم تو میں جانوں بناؤ تم تو میں جانوں

محبّت آفریں نظروں سے پیغامِ محبّت دو
محبّت حاصلِ ہستی بناؤ تم تو میں جانوں

مری رگ رگ میں جلوے پھونک دو اپنی نگاہوں سے
مری ہستی مری ہستی بناؤ تم تو میں جانوں

اضافہ کچھ نہ کچھ ہو جائیگا سامانِ ہستی میں

ذرا میری ہی خاطر مسکراؤ تم تو میں جانوں

بسی بستی کو ویرانہ بنانا سہل ہے لیکن
کبھی ویرانۂ ہستی بساؤ تم تو میں جانوں

مری رگ رگ میں دوڑا دی تھیں جس نے کیف کی لہریں
وہی ہاں پھر وہی نغمہ سناؤ تم تو میں جانوں

خبردار حقیقت یا تو کر دو حشر کو ورنہ
حقیقت اس کی افسانہ بناؤ تم تو میں جانوں

○

○

شمعِ حیات پھر سے فروزاں ہے آجکل — پھر کوئی دل میں حشر کے مہماں ہے آجکل

دنیائے اعتبار پریشاں ہے آجکل — پھر کوئی میرے حال پہ گریاں ہے آجکل

پامالیٔ حیات فراواں ہے آجکل — چہرے سے دل کا راز نمایاں ہے آجکل

اللہ رے تصورِ رنگینیٔ جمال — ویرانۂ حیات گلستاں ہے آجکل

اُن کو غرورِ حُسن بڑھا مجھ کو نازِ عشق — پھر درمیاں میں ربط گریزاں ہے آجکل

شبنم کے اشک پی کی فغاں شورِ عندلیب — جو ہے وہ تیرے واسطے گریاں ہے آجکل

پھر بزمِ کائنات مجسم شباب ہے — پھر کوئی مستِ حُسن غزلخواں ہے آجکل

جو اصطلاحِ عام میں ہے اضطرابِ مرگ — وہ غم ہی کیف بخشِ دل و جاں ہے آجکل

کیا اب بقدرِ غم مری مجبوریاں نہیں — کیوں کوئی مجھ کو دیکھ کے حیراں ہے آجکل

جس آتشِ جمال کی رگ رگ میں تھی خلش
وہ آگ ہر نفس میں فروزاں ہے آج کل

○

○

لیتے ہیں موجِ نورِ رُخِ مہوشاں سے ہم
پلتے ہیں فیضِ بیکراں برقِ تپاں سے ہم

تیرے قریب۔ تیری گلی۔ تیرے شہر میں
دیوانہ وار پھرتے ہیں اب بے نشاں سے ہم

راتیں ترے بغیر گزرتی ہیں اس طرح
افسانہ اپنا کہتے ہیں اپنی زباں سے ہم

حُسنِ خلوص وعدہ فریبی کی خیر ہو
خود سے بھی اب تو رہنے لگے بدگماں سے ہم

ہاں ہاں بقدرِ ذوقِ طلب۔ شدّتِ ستم
مانوس ہو گئے ہیں غمِ دو جہاں سے ہم

آیا کبھی جو یاد ترا عارضِ جمال
پہروں لپٹ کے روتے رہے گلستاں سے ہم

دو دن میں جو قیامتیں دل پر گزر گئیں
ان کو سُنا سکیں گے نہ اپنی زباں سے ہم

دُنیا خراب۔ عیشِ جہاں ہیچ۔ بے حرام
تنگ۔ آ گئے ہیں واعظِ نامہرباں سے ہم

انسانیت کو ناز ہے جن کے خلوص پر
اے حشرؔ ان کو ڈھونڈ کے لائیں کہاں سے ہم

○

○

یادِ ایامِ گزشتہ یوں مجھے تڑپائے ہے
جیسے رہ رہ کے کوئی قلب و جگر برمائے ہے

چارہ ساز و دردِ تیری چارہ سازی کے نثار
قلب غم آلودہ لیکن کب تسلّی پائے ہے

وہ بھی کیا دن تھے کہ جب وہ تھے نظر کے سامنے
ہائے اب ان کا تصوّر بھی قیامت ڈھائے ہے

اُف مری مجبور قسمت اُف مرا ناکام دِل
اب خوشی کے نام سے بھی جی مرا گھبرائے ہے

جتنی کرتے جاتے ہیں احباب تلقینِ صبر کی
اور شدت اور شدتِ غم کی بڑھتی جائے ہے

ہم نفس اب ہے دلِ حشرِ تمنّا کا یہ حال
اشک جو آنکھوں سے گر جائے ہے دل بن جائے ہے

ہے نقوشِ حسن کی پائندگی مدِ نظر
ورنہ ہر ہر سانس میری موت بن کر آئے ہے

دیدنی ہیں حشرؔ کی مجبوریاں لاچاریاں
خواب میں بھی اب نظر کوئی نہ مجھ کو آئے ہے

○

○

جب بھی کروٹ جہاں نے بدلی ہے
اک ادھوری غزل سنادی ہے

ماہ و انجم کی تیرگی مت پوچھ
بجلیوں کی پناہ لے لی ہے

تو نے جب بھی مجھے پکارا ہے
زندگی نے شراب پی لی ہے

تیری خاطر خودی کو بیچ دیا
میں نے دشمن سے بھیک مانگی ہے

سوگواری کی خیر ہو یارب
دل کی دھڑکن میں کچھ کمی سی ہے

آپ کی عظمتوں کی خبر نہ تھی
میں نے خود ہی نظر جھکالی ہے

بعض اوقات غمزدہ دل پر
یاد بھی ان کی بار گزری ہے

ایک ہلکی سی آہ میں اے دوست
کائناتِ الم سمولی ہے

ذہن کی کاوشیں ارے توبہ
آگہیِ موت زندگی کی ہے

دیکھنا کون ہے یہ دیوانہ
اِس کی آواز حشر کی سی ہے

○

نہیں سنیے نہیں سنیے مرے غمگیں افسانے
شرر انگیز ہو جاتے ہیں اکثر ٹوٹے پیمانے

متاعِ زندگی جن کے سبب سے لٹ گئی میری
وہی فرمارہے ہیں آج مجھ سے تم ہو دیوانے

بقدرِ ذوق راہیں خود جنوں اپنی بناتا ہے
جنوں پابندیِ رسم و رواجِ دہر کیا جانے

نگاہِ حُسن پرور گل بداماں کے تصرّف سے
گلستاں خود بنجاتے ہیں دنیا کے ویرانے

سکوں بربادیٔ دل پر ترلمانے کی شکایت کیا
یہ وہ منزل ہے جس پر اپنے ہو جاتے ہیں بیگانے

مری نظروں میں بجلی زندگی یوں رقص کرتی ہے

کہ جیسے بجلیاں آغوش میں لیلیں سیہ خانے

وفورِ جبر استغنا کا عالم اے معاذ اللہ
متاعِ زیست لٹتی ہے مگر ہنستے ہیں دیوانے

الٰہی خیر اُجڑی زندگی کروٹ بدلتی ہے
مرتب کر رہا ہے پھر کوئی گم گشتہ افسانے

فروغِ حُسن کے جلوے تقاضے کرتے ہیں پیہم
طواف شمع خود کرتے نہیں اے حشر پروانے

چوٹ پہ چوٹ کھایئے درد کو دل بنایئے
عیش تو در کنار ہے غم میں بھی مسکرایئے

روح و نظر ہیں منتظر، دیدہ و دل ہیں فرشِ راہ
بجھنے لگی ہے زندگی میرے قریب آیئے

میری نظر میں جذب ہیں کون و مکاں کی رفعتیں
مجھ سے نظر ملایئے دونوں جہاں پہ چھایئے

کیف تمام پا سکوں لطفِ دوام پا سکوں
سونی پڑی ہے بزمِ دل نغمۂ شوق گایئے

ظلمتِ کائنات کب نجم و قمر سے مٹ سکی
آپ ہی مسکرا کے اب بزم کو جگمگایئے

آپ کا فیصلہ بجا حشر کی ہے خطا مگر
اپنی نظر کو دیکھئے مجھ سے نظر ملایئے

○

یہہ مانا تیری جنت کی بڑی رنگیں کہانی ہے
مگر اے زاہد کم ہی جوانی بھر جوانی ہے
عروج و ارتقائے بزم امکاں کی نشانی ہے
عمل جبتک کہ پیہم ہے بقائے زندگانی ہے
فضا خاموش ۔ نغمے سرد نبضیں ڈگمگائی سی
نفس کا زیر و بم ہے یا مسلسل نوحہ خوانی ہے
جہاد زندگی سوختہ بختی ۔ معاذ اللہ
نہ مرگ ناگہانی ہے نہ لطف جاودانی ہے
سیہ خانوں پہ مرگ ناگہاں کی دستکیں توبہ
زمیں بوجھل ہوئی جاتی ہے کیسی قہرمانی ہے
یہاں طوفاں کی سختی اور وہاں ساحل کی رنگینی
یہ میری زندگانی ہے وہ ان کی زندگانی ہے
چٹختی ہڈیاں مرجھائے چہرے اور برہنہ تن
وفور شوق منزل کیا وفور ناتوانی ہے
سسکتے غمزدوں پر قہقہہ افگن ہے جبروتی
مُسلّط دوش انساں پر یہ کیسی قہرمانی ہے
یہ کم ظرفی یہہ خود غرضی یہ جبروتی یہ طاغوتی
مجھے دنیا سے ہٹ کر اک نئی دنیا بنانی ہے
میرے ذوق یقیں کی عظمتوں کا حشر کیا کہنا
مرا ذوق یقیں ہی سجدہ گاہ کامرانی ہے

○

جہاں جہاں بھی قدم میرے ڈگمگائے ہیں   حریم ناز سے جلوے تڑپ کے آئے ہیں
یہی یہی مری ناکامیوں کے سائے ہیں   وہ اشک جو مری آنکھوں میں مسکرائے ہیں
رہِ وفا میں وہ معراج شوق تھے اے دوست   ترے حضور جو لمحے گزار آئے ہیں
فسردہ پھول۔ کلی مضمحل۔ چمن گریاں   جہاں بھی دیکھئے تاریکیوں کے سائے ہیں
یہ حادثے بھی عجب حادثے ہیں جن کے طفیل   بڑے بلند مقامات ہم نے پائے ہیں
ابھی تو فکر و عمل سے گریز پا ہے بشر   ابھی تو شعلہ فگن ظلمتوں کے سائے ہیں
بڑے خلوص سے دُنیا فریب دیتی ہے   بڑے خلوص سے ہم نے فریب کھائے ہیں
یہہ غمزدہ ۔ یہہ پریشاں۔ یہہ تیرے دیوانے   تجھے خبر بھی ہے کون و مکاں پہ چھائے ہیں

غم حیات ۔ غم دوجہاں ۔ غم ماضی
ترے حضور یہہ سوغات لے کے آئے ہیں

وہ نہ میرے نہ موت ہی میری   مجھ پہ ہنستی ہے زندگی میری
اُف رے ناکام زندگی میری   بیکسی بھی نہیں ہوئی میری
رو کئے اپنی مست نظروں سے   بڑھ چلی اور بے خودی میری
انتہائے الم کے ہیں قرباں   درد ہے اب تو زندگی میری
جلوۂ دوست کچھ توقف کر   دور ہونے دے بیخودی میری
آج تک اُن کا آستاں نہ ملا   جستجو میں ہے بندگی میری
حسن خود منتظر ہے میرے لئے   مرحبا شان بے خودی میری
میرے سجدوں میں آچلا ہے غرور   بھا گئی ان کو بندگی میری
دور ہے سرحدِ تعیّن سے   بے نیازی و بے خودی میری
او تغافل شعار ایک نظر   ختم ہوتی ہے زندگی میری

حشر ما و شما سے غافل ہوں
خوب گزری ہے زندگی میری

○

گزار نا تھے جو دنیا میں دن گزار آئے
گناہگار گئے تھے گنہگار آئے

کچھ اس طرح وہ سرِ بزمِ انتظار آئے
چمن میں جیسے دھڑکتی ہوئی بہار آئے

ہزار رحمتیں جس پہ نثار ہوتی ہیں
وہ ایک سجدہ ترے در پہ ہم گزار آئے

سنا تھا صحن گلستاں میں جی بہلتا ہے
ہم اہل درد وہاں سے بھی اشکبار آئے

حریم ناز کے نقش و نگار جھوم اٹھے
عجیب شان سے محفل میں سوگوار آئے

تمھاری ذات بھی ہم پہ جہاں گراں گزری
رہ وفا میں کچھ ایسے بھی رہ گزار آئے

ہر ایک قید سے آزاد ہے جنوں کا شعور
جنوں کی راہ میں کوئی بھی رہ گزار آئے

انھیں کے فیض سے اے حشرؔ زندگی ہے دوام
وہ حادثے جو محبّت میں بار بار آئے

○

○

محبّت آزمانے سے بڑی تکلیف ہوتی ہے
انھیں غمگیں بنانے سے بڑی تکلیف ہوتی ہے

مسلسل ہاں مسلسل بے خودی چھائی رہے مجھ پر
سنا ہے ہوش آنے سے بڑی تکلیف ہوتی ہے

یہہ مانا دل کی دھڑکن میں کمی آجائے گی لیکن
حدیث غم سنانے سے بڑی تکلیف ہوتی ہے

تباہی کوش طوفانوں کی زد سے بچ کے ساحل پر
سفینہ ڈوب جانے سے بڑی تکلیف ہوتی ہے

جسے دل کے لہو کی سرخیوں سے زیب و زینت دی
اُسی رنگیں فسانے سے بڑی تکلیف ہوتی ہے

خلوصِ دل سے بیگانو، تلوّن آشنا لوگو

تمھارے مُسکرانے سے بڑی تکلیف ہوتی ہے

گلستاں کو جلا کر ہم نفس حبس کی بنا ڈالی
مجھے اس آشیانے سے بڑی تکلیف ہوتی ہے

شریک غم بنا سکتا ہوں تجھ کو ہم نفس لیکن
شریک غم بنانے سے بڑی تکلیف ہوتی ہے

کلی سہمی۔ گل افسردہ۔ ہوا بہکی۔ فضا دشمن
چمن میں آنے جانے سی بڑی تکلیف ہوتی ہے

مری تسکین خاطر کر رہے ہیں حشر وہ لیکن
مجھے تسکین پانے سے بڑی تکلیف ہوتی ہے

○

یہہ کیسا عالم مجبوری دل ہوتا جاتا ہے
مجھے جی بھر کے اب رونا بھی مشکل ہوتا جاتا ہے

وفور غم سے عرفاں مجھ کو حاصل ہوتا جاتا ہے
سراپائے محبت اب مرا دل ہوتا جاتا ہے

فسانہ غم کا اب سننے کے قابل ہوتا جاتا ہے
مرے دل کا لہو بھی اس میں شامل ہوتا جاتا ہے

جدائی کی خلش غم کی فراوانی ارے توبہ
مگر دل ہے کہ بڑھ بڑھ کر مقابل ہوتا جاتا ہے

لب ساحل پہونچکر مطمئن ہو جاتی ہے دنیا
مگر میرے لئے طوفان ساحل ہوتا جاتا ہے

خدا کے واسطے دیدے سہارا کوئی اب آکر
کہ منزل آشنا گم گشتہ منزل ہوتا جاتا ہے

دہائی اے تجلی حقیقت آفریں تیری
زمانے پر مسلط رنگ باطل ہوتا جاتا ہے

کمی کیا اور کچھ باقی ہے میری سوگواری میں
یہہ کیوں دُنیا کو احساس غم دل ہوتا جاتا ہے

کہاں تک حشر جذبات نہاں کی ترجمانی ہو
بس اب خاموش پھیکا رنگ محفل ہوتا جاتا ہے

○

○

اُلٹی حقیقتوں کی نقابیں مجاز نے — بے کیفیوں کو ساز دیا نغمہ ساز نے

چھیڑا جو سازِ دل نگہہ نغمہ ساز نے — کھینچی اک آہ عالمِ سوز و گداز نے

یوں مست انکھڑیاں ہیں گلابی لیے ہوئے — جیسے شراب پی ہو کسی پاکباز نے

اک موج رنگ ہو کے رہی ہر نگاہ شوق — آخر اثر کیا نہ طلسمِ مجاز نے

ملتے گئے نشاط و طرب کے مزے مجھے — جتنا بڑھایا سوزِ غمِ جانگداز نے

آئینہ جمالِ حقیقت دکھا گئی — یہ کیا کیا کسی کی نگاہ مجاز نے

پھر میرے دل کی ڈوبتی نبضیں اُبھر چلیں — چھیڑا یہ نغمہ کونسا تغمہ طراز نے

ہوتا نہیں ادا جو زباں سے کسی طرح — وہ کہدیا نگاہ سے اس مست ناز نے

عارض کے پھول آنکھ کی مستی لبوں کی مے
کیا کیا دیا نہ منتشر کو اک مست ناز نے

○

منتشر خیالات

متفرق اشعار

متاعِ راحت عمر دراز ہو کے رہا
بہار آئی برآئی مراد رندوں کی
حریمِ حُسن میں عظمت گناہگار کی تھی

دل تباہ مرا غم نواز ہو کے رہا
گھٹا اُٹھی درِ میخانہ باز ہو کے رہا
وہ بدنصیب تھا جو پاکباز ہو کے رہا

○

صبح کو شہرہ مرے جوشِ جنوں کا عام تھا
دورِ احساسات جس کا زندگانی نام تھا
التفاتِ حسن تو اک بہشتی کا جام تھا

نالۂ شام الم آوازِ طشت از بام تھا
دردمندانِ وفا کو موت کا پیغام تھا
کام کے دن تو وہی تھے جبکہ دل ناکام تھا

○

کہا نہ تھا کہ نہیں دیکھنے کی تاب مجھے
مسرتوں کے دکھا کر حسین خواب مجھے

اب اضطراب تمھیں ہے کہ اضطراب مجھے
بنایا جاتا ہے ممنونِ انقلاب مجھے

○

پلٹنے والی موجوں نے مری کشتی بھی لوٹا دی
فقط اک دل ہی کیا روتا تھا ذرہ ذرہ دنیا کا
فرشتے امتحاں گاہ محبت سے کہاں واقف

مقدر سے نظر کے سامنے ساحل جہاں آیا
عجب عالم تھا جب وقتِ وداع میہماں آیا
فقط انسان اس منزل میں لیکر کارواں آیا

○

نہ ربط حسن سوزاں کم دِل رنجور ہو جائے
ہر اک ذرہ جہانِ رنگ و بو کا طور ہو جائے
تمھاری بزم میں آنا بڑی رنگیں عبادت ہے
ہے اسدم دیدنی اے حشر ناکامی محبت کی

یہ شعلہ اتنا بڑھ جائے کہ برقِ طور ہو جائے
الٰہی پھر محبت مائل دستور ہو جائے
وہ کافر ہے جو محفل سے تمھاری دور ہو جائے
کوئی کم بخت جب تقدیر سے مجبور ہو جائے

○

تخیلات کو رنگیں بنائے جاتے ہیں
بجا ہے میں ہی خطاوار عشق ہوں لیکن
گداز عشق کی معراج ہے یہی شاید

وہ دور رہ کے بھی نزدیک آئے جاتے ہیں
یہ آپ کس لئے نظر میں حیرت لئے جاتے ہیں
ہنسی ہنسی میں بھی اب اشک آئے جاتے ہیں

○

نظر نظر میں یہہ کیا بات پائی جاتی ہے — اُنھیں حجاب مجھے شرم آئی جاتی ہے
تفس تفس پہ ہے ان کی تسلیوں کا اثر — شبِ فراق میں بھی نیند آئی جاتی ہے
بدل بدل کے مضامین شوق کی سُرخی — مجھی کو میری کہانی سنائی جاتی ہے
قدم بڑھائے چلا جا بقدرِ عزم سفر — اب آئی جاتی ہے منزل اب آئی جاتی ہے

○

یہہ کسنے میری بے خود خلوتوں کا چین لوٹا ہے — طبیعت لاکھ بہلاتا ہوں بہلائی نہیں جاتی
شعورِ انسان کا ذوقِ وفا ہی سے ابھرتا ہے — وفا برحق مگر دنیا میں اب پائی نہیں جاتی

○

مسلّط دونوں عالم پر محبت ہوتی جاتی ہے — یہہ کیوں فطرت ہی خود پابند فطرت ہوتی جاتی ہے
جہاں ہر آرزو ہمرنگ حسرت ہوتی جاتی ہے — وہاں پھر کس لئے تعمیر جنت ہوتی جاتی ہے
مُسلّم بتکدے کی کفر سامانی ہے اے واعظ — مگر میں کیا کروں مجھ کو عقیدت ہوتی جاتی ہے

○

جب روزِ اوّلیں دلِ غمگیں ملا مجھے — تب ساری کائنات نے سجدا کیا مجھے
جلووں کی یورشیں ہیں کہ معراجِ شوق ہے — سارا جہاں حسین نظر آنے لگا مجھے
اے حسن لٹ گئی تھی جہاں دل کی کائنات — لے آیا پھر وہیں مرا بخت رسا مجھے

○

نہ وہ عشرت کے خواہاں ہیں نہ وہ شائق ہیں جنت کے
جو قائل ہیں محبّت کے جو بندے ہیں محبّت کے
نظر بھر کر اگر ان کو کبھی میں دیکھ لیتا ہوں
سمجھ لیتا ہوں یہہ لمحے ہیں معراجِ محبّت کے

○

شراب ناب کے چھینٹے اڑائیں تر زباں کر لیں — بہ ایں تردامنی ہم بیعتِ پیرِ مغاں کر لیں
ہے اذنِ مغفرت موقوف اظہارِ ندامت پر — قیامت میں خدائی بھر کو کیسے رازداں کر لیں
ہوں تخریبِ فضائے رنگ و بو پر لعد کو مائل — چمک کر بجلیاں برباد پہلے آشیاں کر لیں

کوئی دور بیٹھا ہوا گا رہا ہے ۔۔۔ مسلسل مجھے یاد تم آ رہے ہو
تم اتنی ہی پھر غمگساری کرو گے ۔۔۔ مجھے جس قدر غم دیے جا رہے ہو

○

دل گم ہے بہاروں میں نظروں میں بیاباں ہے
ہے رقص میں دیوانہ یا وجد میں زنداں ہے
اے حسرت ناکامی مشکل مری آساں کر
اب جنت نظارہ طوفان ہی طوفاں ہے
ناکامی پیہم خود لے آئی وہاں مجھ کو
احساس جنوں جس جا تسکین بداماں ہے

○

○

ترنّم فضاؤں کے آنچل پہ مچلا
جوانی حسیں آبشاروں میں جھومی
تغافل ادھر کروٹیں لے رہا ہے
ادھر زندگی چاند تاروں میں جھومی

○

○

ہشیاری کو جامِ مے نوش میں ڈھونڈھ
نغماتِ طرب دشتِ خاموش میں ڈھونڈھ
یہہ بزمِ جہاں ہے اجتماعِ ضدّیں
آرام کو تکلیف کے آغوش میں ڈھونڈھ

○

○

ہمارے ذوقِ تماشہ کو اذنِ عام ہُوا
نگاہ و فکر میں جلوؤں کا اژدہام ہُوا
روش روش پہ بچھائیں بہار نے کلیاں
چمن چمن ترے آنے کا اہتمام ہُوا

○

○

گم کردہ راہِ عشق غریب الدیار ہوں
ممنونِ التفاتِ غمِ روزگار ہوں
حسنِ ازل ادھر بھی کوئی تابشِ جمال
میں وادیٔ کلیم کا آئینہ دار ہوں

○

زمیں بدلی۔ فلک بدلا وہ گردش میں جہاں آیا
نوید اہلِ محبّت کو کہ دور امتحاں آیا
بہار آنے کو ہے یا یہ کشش ہے برق تاباں کی
یہ کیوں جنباں ہیں شاخیں وجد میں کیوں آشیاں آیا

بجھی بجھی زندگی کی شمع فروغِ غم سے بڑھا رہا ہوں
فسردگی کی خموشیوں میں حسین جادو جگا رہا ہوں
الٰہی خیر اس شکستِ دل کی اداس دل کی نڈھال دل کی
میں آج مست نظر سے نظریں بچا بچا کر ملا رہا ہوں

اے نورِ ازل پھر یوں ظاہر پسِ چلمن ہو
ہر ذرہ بیاباں کا فردوس بدامن ہو
للّٰہ بخھا اور کر وہ جلوہ کہ دل جس سے
یا عرش معلّٰی ہو یا وادی ایمن ہو

اب تک جو باریاب ہماری فغاں نہیں
کیا ہم یہ مان لیں کہ محبّت جواں نہیں
خود حسن عرض شوق کی خاطر تڑپ اٹھے
دراصل عشق ہی ابھی آتش بجاں نہیں

○

غمِ حیات میں مسرور ہو کے رہتا ہوں
شرابِ یاس سے مخمور ہو کے رہتا ہوں
قبائے گل میں ہوں روپوش مثل آتشِ گل
چمن میں برق سرِ طور ہو کے رہتا ہوں

○

○

دریا میں ستاروں کو سمجھ کر چلئے
موجوں کو کناروں کو سمجھ کر چلئے
رنگین طلسموں سے نہ رہئے غافل
قدرت کے اشاروں کو سمجھ کر چلئے

○

○

شدّتِ جذبات سے جب جھوم اٹھتا ہے شباب
وقت کی ظلمت الٹ دیتی ہے عصمت کا نقاب
حسن کو آغوشِ عصیاں میں جب آجاتی ہے نیند
ڈوب ہی جاتا ہے پھر دوشیزگی کا آفتاب

○

○

چاندنی راتوں میں ظلمت کا فسوں پاتا ہوں میں
اہلِ عقل و ہوش کو محوِ جنوں پاتا ہوں میں
تھپکیوں کی نرم خنکی موت کا پیغام ہے
قہر ساماں شعلہ باری میں سکوں پاتا ہوں میں

○

○

بے تابیوں پہ چھایا ہوا ہے خمار آج
ہر ذرہ کائنات کا ہے میگسار آج
یہ چاندنی یہ رات یہ رنگینئ بہار
ہر چیز کر رہی ہے ترا انتظار آج

○

○

نخوت سے تجھے کام تکبّر سے تجھے پیار
عقل و خرد و ہوش کی منزل سے تجھے عار
فرعون صفت اوروں سے کیوں طالب تسلیم
جب تیرا عمل وقت کی رفتار پہ ہے بار

○

○

خدائی پہ تازہ ستم ڈھا رہے ہو
یہ کیوں بے نقاب آج تم آ رہے ہو
نگاہیں قیامت ادائیں قیامت
سراپا قیامت بنے جا رہے ہو

○

○

اے بے خودی شوق ذرا تھامنا مجھے
احساس ازدیاد الم ہو چلا مجھے
آنکھوں میں اشک لب پہ فغاں دل میں دھڑکنیں
یہ بیٹھے بیٹھے کس کا خیال آگیا مجھے

○

○

غلط غلط کہ تجھے پاسِ اضطراب نہ تھا
مذاقِ عشق ہی مرہونِ انقلاب نہ تھا
ترا کرم اسے کس طرح راس آ جاتا
بقدرِ ذوقِ الم جس کو اضطراب نہ تھا

○

پبلشر مقدس حسین قادری نے ایجوکیشنل پریس پاکستان چوک کراچی سے چھپوا کر
عرفان المکاتیب اے۔ ایم ۲۔ برنس روڈ ۔ کراچی سے شائع کیا ۔